علامہ زمخشری کا تصور نظم قرآن

سیف اللہ*

ABSTRACT:
Despite his being a staunch Mutazali, Allama Zamakhshari declares the Holy Quran to be a miracle on account of its unique coherence and cohesion. For the first time in the history of Quranic exegesis, he made a subject of the mutual juxtaposition of Quranic words, sentences, verses and surahs such discussions on the Quranic cohesion as are related to literary and communicative aspects such as metaphor, simile, allusion and syntax. Similarly, he demonstrated the Quranic cohesiveness by beautifully applying the roles and regulations of rhetoric on the verses of the Holy Quran. Such forms of coherence and cohesion did he adopt as can be declared as the fundamentals of the idea of the Quranic cohesion. In this regard, this article is the first such comprehensive study of the Tafseer e Kashaf.

Keywords: Zamakhshari, Coherence, Cohesion, Quranic, Exegesis.

نظم کا معنی و مفہوم

خلیل بن احمد الفراہیدی نظم کے متعلق لکھتے ہیں:

”نگینوں کو آپس میں باہم حسن ترتیب سے پرونا نظم ہے اور نظم ہر چیز میں ہے حتی کہ کہا جاتا ہے اس کا نظام نہیں، یعنی اس کا طریقہ درست نہیں ہے۔“(۱) (نظم لغوی اعتبار سے عربی میں مذکر ہے جبکہ اردو کی نظم مونث استعمال ہوتی ہے۔مدیر)

اور نظام جواہرات اور نگینوں کے ہار وغیرہ کو بھی کہتے ہیں۔

ابن منظور نظم کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”نظم کے معنی پرونا ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے موتی دھاگے میں پروئے اور اسی طرح تنظیم کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو آپ کسی چیز کے ساتھ جوڑ دیں یا اس کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ ملا دیں تو اسے نظم کہا جائے گا۔نظم حقیقت میں منظوم ہے جو بطورِ مصدر بیان کیا گیا ہے دھاگہ وغیرہ کے ساتھ موتیوں یا کسی اور چیز کو جوڑا جاتا ہے اسے نظام کہتے ہیں اور کسی بھی معاملے کا نظام

* ڈاکٹر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، رینالہ خورد، ضلع اوکاڑہ، پاکستان
برقی پتا: saifullahfaizi@yahoo.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۶/۳/۱۵ء

اس کی اصل ہوتا ہے، اس کی جمع انظمہ، اناظیم آتی ہے اور نظام وہ دھاگہ یا چیز ہے جس میں موتی یا کسی اور چیز کو پرو دیا جائے، اسی طرح نظام کے معنی طریق کار اور عادت کے بھی آتے ہیں۔ ان کے معاملے میں کوئی نظام نہیں، یعنی ان کے معاملہ میں کوئی سلیقہ، ربط اور درستی نہیں۔'' (۲)

لفظ نظم کے لغوی معنی کے متعلق علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

''نظم کے معنی ہیں جوڑنا اور کسی چیز کو دوسری چیز سے ملانا۔ **نظم اللؤلؤ ینظمه نظما و نظمه** کے معنی ہیں کسی دھاگے میں اس طرح موتیوں کو پرونا کہ ایک دوسرے سے مربوط ہو جائیں اور نظام اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں موتی اور اس طرح کی چیزیں پروئی جاتی ہیں۔'' (۳)

نظم کے لغوی معانی میں یہ مفہوم زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ نظم دراصل دھاگے یا اس قسم کی چیز کو کہتے ہیں جس میں موتی پروئے جائیں۔ ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

هل هملت عیناى فى الدار غدوة بدمع کنظم اللؤلؤ المتهالک. (۴)

''صبح سویرے ہی گھر میں میری آنکھوں نے ایسے آنسو بہانا شروع کر دیے جیسے کسی لڑی سے موتی گرتے ہیں۔''

علامہ زمخشری نظم کے مجازی معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''نظم کا لغوی معنی ہے اس نے موتی، موتیوں کے ہار میں پروئے اور مجازی طور پر اس کا مطلب ہے کہ اس نے کلام کو منظّم کیا اور یہ عمدہ نظم ہے، اس کا کلام اور معاملہ منظّم ہے اور جب کسی کا کام منظّم نہ ہو تو کہا جاتا ہے **لیس لامره نظام** یعنی اس کے کام میں کوئی نظم نہیں اور جب کسی کے کام میں نظم ہو تو کہتے ہیں ''**هذه امور نظام.**'' (۵)

الفاظ و معانی مناسب انداز اور انتہائی ترتیب کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں، ایک کڑی دوسری کڑی میں پیوست ہو۔ کلام میں کسی قسم کا خلا محسوس نہ ہوتا ہو تو ایسے کلام کو کلام منظوم کہتے ہیں۔

علامہ شریف جرجانی نظم کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''مرتب معانی اور متناسب دلالات والے کلموں اور جملوں کو عقلی تقاضوں کے مطابق جوڑنا۔''

علامہ زمخشری کا تصور نظم و مناسبت ذکر کرنے سے قبل، یہ وضاحت ضروری ہے کہ اعجاز قرآن کے حوالہ سے معتزلہ عام طور سے نظریہ صرفہ کے قائل ہیں۔ نظام سے عبد الجبار اسدی تک تمام معتزلی مفکرین اس بات کے قائل رہے ہیں کہ قرآن نے اہل عرب کو اس جیسا کلام پیش کرنے پر چیلنج کیا تھا اور اس کے جواب میں مکمل خاموشی چھائی رہی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قرآنی ادب مافوق ادراک تھا اور اہل عرب اس کی نظیر پیش کرنے پر قادر نہ تھے، بلکہ انھیں قرآن کے چیلنج کے جواب میں خاموشی اس لیے اختیار کرنی پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن کے معارضہ سے باز رکھا، حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتے تھے۔

زمخشری راسخ العقیدہ معتزلی ہونے کے باوجود اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک قرآن دو پہلوؤں سے اعجازی صفت کا حامل ہے۔

۱۔ اپنے نادر الوجود نظم و ترتیب کی وجہ سے ۲۔ غیب کی پیش گوئیوں کی وجہ سے

سورۂ یونس میں جہاں قرآن نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر مشرکین مکہ کے اعتراضات صحیح ہیں تو قرآن جیسی ایک سورہ ہی تصنیف کر کے دکھا دیں اور جن جھوٹے معبودوں کو مدد کے لیے بلانا چاہتے ہو بلا لیں لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انھوں نے خواہ مخواہ جھٹلا دیا یہاں صاحب کشاف آیت نمبر:۳۹ **ولما یأتھم تاویله** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کتاب الٰہی دو حیثیتوں سے معجزہ ہے۔ ایک تو اس کا نظم معجزہ ہے اور دوسرا اس میں غیب کی خبریں ہیں لیکن ان مشرکین نے قرآن کے اعلیٰ درجہ نظم پر غور نہیں کیا اور فوراً تکذیب کر دی۔''(۶)

سورۂ نساء کی آیت ۱۶۶ '**ولکن الله یشھد**'' کی تفسیر میں '**انزله بعلمه**' کے جملہ کا ماقبل سے تعلق و اتصال واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اللہ عزوجل نے قرآن کو اپنے اس علم خاص کے ساتھ نازل کیا ہے، جس سے کوئی واقف نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی ترتیب و تنظیم ایسے اسلوب اور نظم کے مطابق ہے۔ جو ہر صاحب بلاغت اور صاحب بیان کے بس سے باہر ہے اور قرآن کی صحت و صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر کسی کی طاقت سے بلند ہے۔''(۷)

الغرض علامہ زمخشری دوسرے معتزلی مفکرین کے بالعکس قرآنِ حکیم کے نادر الوجود نظم کو اس کی صفت اعجاز قرار دیتے ہیں اور اپنی تفسیر میں خالص نحوی تشریحات کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن کے ادبی محاسن کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

علامہ زمخشری کا منہج و اُسلوب:

چھٹی صدی ہجری سے قبل تک علم نظم کا دائرہ بحث، ادب و بلاغت تک محدود رہا، علامہ زمخشری وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے ان مباحث کو وسعت دیتے ہوئے عملاً قرآنِ کریم پر اطلاق و انطباق کیا جس سے نظم و مناسبت کے نئے نئے پہلو سامنے آئے اور اس کے بعد اس علم نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔

علامہ زمخشری کلمات، جملوں اور آیات کے درمیان ربط قائم کرنے کے لیے اپنی تفسیر میں درج ذیل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

۱۔ اتصال مصدر کے مشتقات، یعنی کبھی اتصل ماضی کے صیغہ کے ساتھ تو کبھی یتصل مضارع کے ساتھ۔

۲۔ تعلق کے لفظ کے ساتھ ۳۔ ''**ماموقع هذه الجملة**'' کے الفاظ سے

۴۔ نظم کے لفظ کے ساتھ اور کہیں کہیں نظام کا لفظ بھی ملتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے منہج واسلوب کی وضاحت کو راقم نے مختلف مباحث میں تقسیم کیا ہے۔

یہ مبحث چار عناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ حروفِ جارہ کی بنیاد پر ربط ومناسبت　　۲۔ کلمات کی تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ربط

۳۔ کلمات کا ترتیب وتالیف کے اعتبار سے ربط　　۴۔ اسم اشارہ کا ماقبل آیت یا آیات کے مجموعہ سے ربط

حروفِ جارہ کے ذریعے سے ربط ومناسبت:

علمائے نحو،نحوی تحلیل کے دوران حرف جار اور ظرف کو یا تو لفظوں میں فعل یا شبہ فعل کے ساتھ متعلق ومتصل کرتے ہیں یا پھر صیغہ صفت محذوف نکال کر متعلق کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اعراب القرآن کی تمام کتب میں جار مجرور کے اتصال کا اہتمام کیا گیا ہے۔(۸)

علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں جا بجا حروف جارہ کے تعلق واتصال پر بات کرتے، ہیں مثلاً: سورۃ الزمر آیت نمبر۱۰ ''للذین احسنوا فی هذه الدنیا حسنة'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''(فی هذه الدنیا) متعلق باحسنوا لا بحسنة. معناه: الذین احسنوا فی هذه الدنیا فلهم حسنة فی الآخره وهی دخول الجنة، فی هذه الدنیا'' (۹) کو احسنوا کے ساتھ متعلق کیا جائے گا نہ کہ حسنۃ کے ساتھ لہٰذا، معنی یہ ہوگا کہ ''جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے ہی آخرت میں بھلائی ہے اور وہ بھلائی جنت کا داخلہ ہے۔''

۲۔کلمات کی تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ربط:

علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں کلمات کی تقدیم وتاخیر کے حوالہ سے مناسبت پر جا بجا بات کرتے ہیں، سطور ذیل میں امثلہ کے ساتھ اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

سورۃ الفاطر کی آیت نمبر۳۲: ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ کے تحت ظالم،مقتصد اور سابق کی تقدیم و تاخیر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ ظالم کا ذکر پہلے کیوں کیا گیا، پھر مقتصد اور پھر سابق کا؟ میرے نزدیک یہ تقدیم وتاخیر اس لیے ہے کہ فسّاق غالب اکثریت میں ہوتے ہیں (اس لیے ان کو پہلے رکھا گیا) اور مقتصدین ان سے کم اور سابقین نہایت قلیل ہوتے ہیں۔''(۱۰)

کلمات کا ترتیب وتالیف کے اعتبار سے ربط:

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے امثلہ کی جگہ صرف حوالہ جات ذکر کر دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل کو کشاف میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔(۱۱)

اسم اشارہ کی ماقبل آیت یا آیات سے مناسبت:

سورۃ النساء آیت نمبر:۱۳ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اسم اشارہ کے ساتھ شروع ہورہی ہے،صاحب کشاف اسم اشارہ کے ماقبل آیات کے ساتھ تعلق واتصال کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تلک اشارة الی الاحکام التی ذکرت فی باب الیتامی والوصایا والمواریث. (۱۲)

''تلک اسم اشارہ کا تعلق، میراث، وصیت اور یتامی سے متعلق مذکورہ مسائل واحکام کے ساتھ ہے۔گو''

یا آیت نمبر۲ تا۱۲ یتامی، وصایا اور مواریث کے جتنے بھی احکام ہیں ان سبھی کے ساتھ اسم کا اتصال ہے۔

مصنف کے قائم کردہ اس ربط میں نظم قرآن کے متلاشی کے لیے سامان تفکر وتدبر موجود ہے کہ کس طرح ایک اسم آیات کے مجموعہ کے ساتھ مربوط ومنسلک ہوگیا ہے۔چونکہ مصنف کا اشارہ آیت نمبر۲ تا۱۲ کی طرف ہے اگر آیت نمبر۱ کو آیات کے اس مجموعہ کے ساتھ ملا کر غور وفکر کیا جائے تو ایک منفرد مناسبت سامنے آتی ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

جملوں میں نظم ومناسبت:

حروف وکلمات میں ربط ومناسبت کی امثلہ،مبحث اول کے تحت گزر چکی ہیں: علامہ زمخشری حروف وکلمات کے ساتھ آیت میں مذکور جملوں (جملہ اسمیہ وفعلیہ وغیرہ) کا باہمی ربط قائم کرتے ہیں۔مثلاً سورۃ النساء کی پہلی آیت:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً میں نظم کلام پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فان قلت: الذی یقتضیه سداد نظم الکلام وجزالته ان یجاء عقیب الامر بالتقوی بما یوجبها أو یدعو الیها ویبعث علیها،فکیف کان خلقه ایاهم من نفس واحدة علی التفصیل الذی ذکره موجبا للتقوی وداعیا الیها؟ قلت لان ذلک مما یدل علی القدرة العظیمة وعن قدر علی نحوه کان قادرا علی کل شیء ومن المقدورات عقاب العصاة فالنظر فیه یؤدی الی ان یتقی القادر علیه ویخشی عقابه...... أو اراد بالتقوی تقوی خاصة وهی أن یتقوه فیما یتصل بحفظ الحقوق بینهم فلا یقطعوا ما یجب علیهم وصله.''(۱۳)

''صاحب کشاف یہاں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نظم کلام کی جزالت کا تقاضا یہ ہے (کہ ابتدا میں) تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے بعد ایسی چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا جو تقویٰ کے واجبات اور اس کی طرف بلانے اور ابھارنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں۔ پھر ایک ہی جان سے

پیدا کیے جانے کا ذکر کس طرح تقویٰ کا موجب اور داعی ہوسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں صاحب کشاف لکھتے ہیں:

''یہ چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت پر دلیل ہے کہ جو تم سب کو ایک جان سے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور گناہ گاروں کو سزا دینا بھی اس کی قدرت میں ہے تو ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے قادر مطلق سے ڈرے اور اس کی سزا سے بچے یا اس تقویٰ سے مراد وہ خاص قسم کا ڈر ہے کہ جو لوگوں کو قطع رحمی سے بچنے اور صلہ رحمی کو اختیار کرنے کے لیے اپنانا چاہیے۔''

جملوں میں ربط ومناسبت کے لیے صاحب کشاف کے نزدیک ایک جملہ کی ماقبل جملہ سے اتصال کی درج ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے تاکید ہوگا۔(۱۴) ۲۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے بدل ہوگا۔(۱۵)

۳۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے تفسیر ہوگا۔ ۴۔ ایک جملہ کو جملہ معترضہ کی حیثیت حاصل ہوگی لیکن وہ متصل ہوگا۔

۵۔ دو جملوں کا باہمی تعلق علت اور معلول کی صورت میں ہوگا۔

۶۔ خاتمہ آیت کے جملہ کو مضمون آیت سے ارتباط حاصل ہوگا۔

اختصار کے پیش نظر جملوں کے باہمی ربط کی ان چھ صورتوں میں سے بعض کی امثلہ اور بعض کے صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مابعد جملہ ماقبل کے لیے تفسیر ہو:

صاحب کشاف کے نزدیک جملوں کے باہمی ربط وتعلق کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مابعد جملہ ماقبل کے لیے وضاحت، تشریح اور تفسیر کی حیثیت رکھتا ہو، مثلاً: سورۃ النساء کی آیت ۱۶۶: ولکن الله یشهد میں جملہ انزله بعلمه کے متعلق لکھتے ہیں:

''اگر آپ یہ سوال کریں کہ انزله بعلمه کے جملہ کا اپنے ماقبل جملے سے کیا ربط وتعلق ہے تو میرے نزدیک یہ ماقبل جملہ کی تفسیر وتوضیح ہے (کیونکہ پیچھے قرآن سے متعلق اللہ کی گواہی کا ذکر تھا یہ اس شہادت کی وضاحت ہے) اور قرآن کی صحت وصداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر شخص کی طاقت سے بلند وبالا ہے۔''(۱۶)

مابعد جملہ ماقبل کے ساتھ ''خبر'' کے ذریعہ مربوط ہو:

نحوی اعتبار سے جملہ اسمیہ کے دو اجزا ہوتے ہیں (۱) مبتدا (۲) خبر

علامہ زمخشری کے نزدیک بعض دفعہ ایک جملہ مبتدا کی خبر ہونے کی بنیاد پر ماقبل سے مربوط ومنسلک ہوتا ہے۔

سورۃ المؤمن آیت ۱۳: هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ کے

مابعد آیات میں آیت نمبر ۱۹: **يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ** ہے۔

پانچ آیات کے بعد آنے والی اس آیت کو صاحب کشاف خبر کی بنیاد پر آیت نمبر ۱۳ کے ساتھ مربوط کرتے ہیں جیسا کہ مصنف لکھتے ہیں:

"فان قلت: لم اتصل قوله (يعلم خائنة الاعين)؟ قلت هو خبر من اخبار هو فى قوله ......هو الذى يريكم."(۱۷)

"اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ یعلم خائنة الاعين کا فرمان کس کے ساتھ متصل ہے۔تو میرے نزدیک یہ آیت هو الذى يريكم کے آغاز میں ھو مبتدا کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔"

خاتمہ آیت کی مضمون آیت سے مناسبت:

خاتمہ آیت میں مذکور جملے کا آیت میں مذکور حکم اور مضمون کے ساتھ ارتباط ہوتا ہے،تفسیر کشاف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ زمخشری آیات کی نظم ومناسبت کے اس پہلو کا خصوصی لحاظ رکھتے ہیں، مثلاً سورۃ الانعام آیت ۱۰۳:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کے تحت خاتمہ آیت:" **وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ**" کے متعلق صاحب کشاف لکھتے ہیں:

"(وھواللطیف) وہ اس قدر لطیف ہے کہ آنکھیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ (الخبیر) اس قدر باخبر ہے کہ ہر لطیف ترین چیز کو پالیتا ہے،اور کوئی لطیف چیز اس کے احاطۂ ادراک سے باہر نہیں اور یہ اسلوب "لف" کی قسم سے ہے۔"(۱۸)

آیات کے درمیان نظم ومناسبت:

گذشتہ مباحث میں حروفِ جارہ، اسماءِ اشارہ، کلمات اور جملوں کے درمیان ربط ومناسبت میں صاحب کشاف کے منہج کی تفصیل امثلہ کے ذریعہ سے مذکور تھی، سطور ذیل میں آیات کے مابین ربط ومناسبت کی وضاحت کی جائے گی۔ اختصار کے پیش نظر بعض کی امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

یہ مبحث درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

۱۔ آیت، مابعد آیات کے لیے تمہید ہو
۲۔ تفصیل بعد الاجمال
۳۔ مابعد آیت ماقبل کے لیے تاکید
۴۔ مابعد آیت ماقبل کے لیے تفسیر و بیان
۵۔ قسم اور مقسم علیہ میں ربط ومناسبت

آیت، مابعد آیات کے ساتھ بطور تمہید مربوط ہو:

بسا اوقات ایک آیت مابعد آیت یا آیات کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تمہیدی آیت مابعد آیات کے ساتھ

اسی تمہید کے طور پر مربوط ومنسلک ہوتی ہے:

جیسا کہ صاحب کشاف کے نزدیک سورۃ النمل کی آیت ۹ :یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ مابعد آیت کے ساتھ تمہید ہونے کی وجہ سے متصل ہے۔

مصنف اس کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

''وھذا (انا اللہ العزیز الحکیم) تمھید لما اراد ان یظھرہ علی یدہ من المعجزۃ''

''اور یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہونے والی آیت کے لیے تمہید ہے۔'' (۱۹)

تفصیل بعد الاجمال کے ذریعہ نظم ومناسبت:

بسا اوقات آیات کے درمیان ربط ومناسبت کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ماقبل آیت میں ایک چیز اجمال کے ساتھ ذکر ہوتی ہے اور مابعد آیت اس کی تفصیل پر مشتمل ہوتی ہے اجمال وتفصیل کا یہ باہمی تعلق دو آیات کو باہم مربوط ومنسلک کرتا ہے۔

صاحب کشاف کے ہاں یہ چیز ملتی ہے مثلاً سورۂ مائدہ کی پہلی آیت:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ کے بعد والی آیات میں بالخصوص جانوروں میں حلت وحرمت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔پہلی آیت کے ضمن میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

''انہ کلام قدم مجملا ثم عقب بالتفصیل وھو قولہ (اُحِلَّتْ لَکُمْ) وما بعدہ.''(۲۰)

(اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ) میں کلام کو اجمالی طور سے بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد اس کی تفصیل (اُحِلَّتْ لَکُمْ) اور مابعد آیات میں بیان کی گئی ہے۔

نظم آیات بذریعہ اسبابِ ربط:

اس مبحث میں درج ذیل اسباب نظم کے ذریعے ارتباط وتناسب پر بحث کی گئی ہے، اختصار کے پیش نظر استطراد اور حسن تخلص کی تفصیل اور تنظیر ومضادت کے حوالہ جات نقل کر دیے گئے ہیں۔

۱۔ تنظیر (۲۱) ۲۔ مضادت (۲۲) ۳۔ استطراد ۴۔ حسن تخلص

استطراد:

یہ لفظ باب استفعال کا مصدر ہے۔اس کے حروف اصلیہ ''طرد'' ہیں اس مادہ میں کسی چیز کو دور ہٹانا، سزا کے طور پر نکالنا یا جلاوطن کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔''طردہٗ من المنصب'' کا معنی ہے کہ اس نے اسے منصب سے ہٹا دیا۔

''استطراد فی الکلام'' کا معنی سلسلہ کلام کو جاری رکھنا یا بات سے بات نکالنا، استطراد کا اصطلاحی معنی ڈاکٹر انعام عکادی جاحظ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"الانتفال من موضوع الی آخر لکی لا یمل القاری او السامع."(۲۳)

"ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا تاکہ قاری یا سامع اکتا نہ جائے۔"

اس تناظر میں ڈاکٹر عکاوی ابن المعتز کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے مراد ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف نکلنا ہے یعنی متکلم اس معنی کی طرف منتقل ہو جائے جو مدح، ہجو یا وصف کو متضمن ہو اور س کا عموماً وقوع ہجو میں ہوتا ہے۔"(۲۴)

علم مناسبت قرآن کریم میں استطراد سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آجائے۔ ربط و مناسبت آیات کے اس سبب اور وجہ کا وقوع، ہمیں کثرت کے ساتھ تفسیر کشاف میں ملتا ہے۔ علامہ زرکشیؒ نے البرہان میں اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں استطراد کی وضاحت میں جو مثال بیان کی ہے وہ صاحب کشاف سے لی گئی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۶:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ

کے متعلق علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"یہ بات شرم کی جگہوں کے کھل جانے اور ان پر پتوں کو رکھ کر پردہ کرنے کے ذکر کے بعد علی سبیل الاستطراد وارد ہوئی ہے۔ اور اس سے لباس کے پیدا کیے جانے کا احسان ظاہر کرنا اور شرم گاہ کو کھولنے کی برائی کا بتانا مقصود ہے اور یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ ستر پوشی تقوی کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے۔"(۲۵)

حسن تخلص:

تخلص کا مادہ اصلیہ خلص ہے جس میں خالص ہونے، کھرا ہونے اور صاف ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور تخلص کا معنی نجات پانا، آزاد ہونا، رہائی پانا اور جدا ہونا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ متکلم نے جس چیز سے کلام کا آغاز کیا تھا وہ اس سے اپنے مقصود اصلی کی طرف نہایت لطیف پیرایہ میں اس طرح منتقل ہو جائے کہ مخاطب کو اس انتقال کا احساس ہی نہ ہو۔ اور اگر اسے احساس ہو بھی تو اس وقت مقصد حاصل ہو چکا ہو اور متکلم امر اول سے امر دوم کی طرف منتقل ہو چکا ہو۔

علامہ سیوطیؒ حسن التخلص کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز سے کلام کی ابتدا کی گئی تھی متکلم بڑی باریک بینی اور لطافت سے اس معنی سے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کہ سامع کو اس کا شعور نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی جائے تو اس وقت کہ جب متکلم دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں معانی

کے درمیان بہت زیادہ مناسبت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔" (۲۶)

علامہ سیوطیؒ نے استطرادا اور حسن تخلص کے درمیان فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اور بعض علماء کا قول ہے کہ تخلص اور استطراد کے مابین فرق ہے کہ تخلص میں تم نے اس بات کو جسے پہلے بیان کررہے تھے گویا بالکل چھوڑ دیا اور جس امر کی طرف تخلص کر کے آئے ہو بس اب اسی کے ہو رہے اور استطراد میں یہ بات ہوتی ہے تم جس امر کی طرف استطراد کرتے ہوئے اس پر کوند جانے والی بجلی کی طرح چمکتے ہوئے گزر کر پھر اسے چھوڑ کے اپنے اصلی مطلب پر آجایا کرتے ہو گویا مستطرد چیز کا بیان کرنا تمہارا مقصود نہ تھا بلکہ وہ ایک عارضی کلام کے طور پر کلام کے درمیان میں آ گئی تھی۔" (۲۷)

تفسیر کشاف میں اس اسلوب کا استعمال کثرت سے ملتا ہے مثلاً سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ قَالَ لَنۡ تَرٰٮنِیۡ وَ لٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرٰٮنِیۡ

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ عزوجل نے جواباً پہاڑ کی طرف دیکھنے کا کہا کہ اگر یہ اپنی جگہ پر سلامت رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ گفتگو کے متعلق صاحب کشاف لکھتے ہیں:

"فان قلت: کیف اتصل الاستدراک فی قولہ (وَ لٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ) بما قبلہ؟ قلت اتصل بہ علی المعنی ان النظر الی محالٍ فلا تطلبہ ولکن علیک بنظر آخر وھو ان تنظر الی الجبل ھذا کلام مدمج بعضہ فی بعض وارد علی اسلوب عجیب ونمط بدیع الاتری کیف تخلص من النظر الی النظر بکلمۃ الاستدراک." (۲۸)

نظم مناسبت کا اہتمام کرنے والے مفسرین کرام کے نزدیک سورۃ القیامہ کی آیت نمبر ۱۶:

لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ

ماقبل اور مابعد کے ساتھ ربط کے حوالہ سے نہایت مشکل اور دقیق آیت ہے، اس کی مناسبت کے بیان میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں چونکہ یہ سورت قیامت کے ذکر پر مشتمل ہے اس لیے قیامت کے تذکرے میں اچانک اس مختلف مفہوم آیت کا وقوع ربط کو مشکل بنادیتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے نزدیک اس آیت کا ماقبل و مابعد سے ربط حسن تخلص کی بنیاد پر ہے چونکہ اس آیت میں آپ ﷺ کے حصول وحی میں جلدی کرنے کا ذکر ہے اس "عجلہ" سے عاجلہ کی محبت اور آخرت کے ترک کی طرف تخلص فرمایا گیا۔ صاحب کشاف کے الفاظ یوں ہیں:

"اگر آپ یہ اشکال وارد کریں کہ اللہ عزوجل کا فرمان: لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ اپنے مابعد سے

کس طرح متصل ہے کہ اس میں قیامت کا تذکرہ ہے؟ تو میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مابعد کے ساتھ اتصال حسن تخلص کی بنیاد پر ہے۔تو اس میں عاجلہ سے محبت اور آخرت کے اہتمام کو ترک کرنے پر زجر و توبیخ ہے۔‘‘(۲۹)

قرآنی سورتوں میں نظم ومناسبت کا منہج واسلوب:

علامہ زمخشریؒ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے علماء ادب و بلاغت کے تصورنظم کو وسعت دیتے ہوئے، قرآن کریم پر اس کے عملی اطلاق کی کوشش کی ہے چونکہ یہ آیات وسور کے درمیان ارتباط وتناسب کی ابتدائی کوشش ہے لہذا بالخصوص سورتوں کے درمیان ربط ومناسبت کے لیے مضمون نگار کو بسیار کوشش کے بعد چند چیزیں دستیاب ہوسکیں ہیں۔

سورتوں کے درمیان ربط کے لیے یہ چند امثلہ راہ نما نقوش اور اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں راقم کے خیال میں تصورنظم ومناسبت کی جامع صورت گری کے لیے یہ راہ نما نقوش، مابعد مفسرین کے لیے، یقیناً ممد ومعاون بنے ہیں۔

اس مبحث کو درج ذیل عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے۔اختصار کے پیش نظر بعض کے حوالہ جات اور بعض کی امثلہ پیش کی گئی ہیں۔

۱۔ فاتحہ سورت کا سورت کے مضامین سے ربط　　۲۔ خاتمہ سورت کا سورت کے مضامین سے ربط (۳۰)

۳۔ فواتح اور خواتم میں ربط ومناسبت　　۴۔ مختلف سورتوں کے فواتح میں مناسبت (۳۱)

۵۔ خاتمہ سورت کا مابعد سورت کے فاتحہ سے ربط (۳۲)

۱۔ فاتحہ سورت کی سورت کے مضامین سے مناسبت:

تفسیر قرآن کے دوران، ربط ومناسبت کا لحاظ رکھنے والے مفسرین کسی بھی سورت کے فاتحہ بالفاظ دیگر تمہید کو پوری سورت کے ساتھ گہری مناسبت حاصل ہوتی ہے، تفسیر کشاف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کی ابتداء کو سورت کے معانی ومفاہیم سے ارتباط وتناسب حاصل ہے۔

جیسا کہ علامہ زمخشری سورۃ النساء کی پہلی آیت کے ابتدائی کلمات میں تقوی کے ذکر سے متعلق یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ جب اللہ عز وجل نے یہ کہا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ(۳۳)

تو چونکہ تقویٰ کا حکم دیا ہے لہذا آیت کے اس حصہ کے بعد تقویٰ کے لوازم مذکور ہونے چاہیے تھے۔جبکہ اس کے بعد انسانی تخلیق کا ذکر شروع ہوگیا صاحب کشاف کی عبارت ملاحظہ کریں۔

”فان قلت: الذی یقتضہ سداد نظم الکلام وجزالته ان یجاء عقیب الامر بالتقویٰ بما یوجبها أو یدعوا لیها ویبعث علیها، فکیف کان خلقه ایاهم من نفس واحدة علی التفصیل الذی ذکره موجبا للتقوی و داعیا الیها؟ قلت: لان ذلک مما یدل علی القدره العظیمة ومن قدر علی نحوهٖ کان قادرا علی کل

شیء ومن المقدورات عقاب العصاة فالنظر فیه یودی الی ان یتقی القادر علیه ویخشی ربه، ولانه یدل علی النعمة السابغة علیهم، فحقهم ان یتقوه فی کفر انها والتفریط فیما یلزمهم من القیام بشکرها، أو اراد بالتقوی تقوی خاصة وهی ان یتقوه فیما یتصل بحفظ الحقوق بینهم فلا یقطعوا ما یجب علیهم وصلة، فقیل اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ وصل بینهم حیث جعلکم صنوانا مفرعة من ارومة واحدة فیما یجب علی بعضکم بعضٍ فحافظوا علیه ولا تغفلوا عنه، ”وهذا المعنی بمطابق لمعانی السورة.“(۳۴)

صاحب کشاف کے مطابق نظم کلام کے حسن وجزالت کا تقاضا یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس کے بعد ایسے امور کا ذکر ہونا چاہیے تھا، جو تقوی کے واجبات، اس کی طرف بلانے اور اس پر ابھارنے سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ہی جان سے تخلیق کا ذکر، کس طرح تقوی کا موجب اور داعی ہو سکتا ہے۔؟

اس کے جواب میں علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

یہ امر دراصل اللہ عزوجل کی قدرت پر بہت بڑی دلیل ہے کہ جو تم سب کو ایک جان سے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور گناہ گاروں کو سزا دینا، اس کی قدرت میں ہے، تو یہ ضروری ہے کہ اللہ ایسے قادر مطلق کا تقوی اختیار کرے اور اس کی سزا کا خوف رکھے یہ چیز انسانوں پر ہونی والی نعمت کاملہ پر دلیل و برہان ہے۔ لہذا ان کے لیے ضروی ہے کہ وہ اس کی ناشکری سے اجتناب کریں اور جو شکر گزاری ان کے ذمے ہے اس میں کمی نہ چھوڑیں، یا اس تقوٰی سے مراد خاص قسم کا تقوٰی اور ڈر مراد ہے، جو لوگوں کو قطع رحمی سے بچنے اور صلہ رحمی اختیار کرنے کے لیے اختیار کرنا چاہیے، تو گویا یہ کہا گیا کہ تم اپنے اس رب سے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کر کے مختلف اقسام میں منقسم کر دیا، ان معاملات میں ڈرو جو ایک دوسرے پر واجب ہیں تم اس کو یاد رکھو اور غافل نہ ہو جاؤ۔

اس آیت کا یہ معنی سورت میں (بیان کردہ) معانی ومقاصد کے عین مطابق ہے۔“

دوسری مثال: علامہ زمخشریؒ سورۃ النمل آیت ۶: وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”یہ آیت سورت کی مابعد آیات میں مذکور قصص و واقعات اور اس کی علم وحکمت کے بیان کردہ لطائف ودقائق کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔“(۳۵)

اصول نظم قرآن میں تمہید کے اصول کو فہم نظم ومناسبت میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ نظم ومناسبت کا التزام واہتمام کرنے والے مفسرین نے اس اصول سے بے حد استفادہ کیا ہے۔ اختصار کے سبب تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔

فواتح اور خواتم میں نظم ومناسبت:

سورتوں کے مابین ارتباط وتناسب میں ایک سورت کے فاتحہ اور خاتمہ کی باہمی مناسبت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، کسی

بھی سورت کے عمود اور مقصود و مطلوب کے تعین میں فاتحہ سورت اور خاتمہ سورت کو راہ نما اشارہ کی حیثیت دی جاتی ہے۔

سورۃ الدخان کے فاتحہ میں اللہ عزوجل کا فرمان: حٰمٓ، وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ مذکور تھا۔

اور خاتمہ سورت یہ آیت قرار پائی: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

سورت کے آغاز میں، اس چیز کی قسم کھائی گئی کہ قرآن مجید روشن اور واضح کتاب ہے اور اختتام میں بتایا گیا (کہ جس روشن کتاب کی قسم کھائی گئی) اس کو ہم نے آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرسکیں۔ صاحب کشاف فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ کی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”ذكرهم بالكتاب المبين فانما يسرناه: اى سهلناه حيث انزلناه عربياً بلسانك بلغتك ارادة ان يفهمه قولك فيتذكروا.“(۳۶)

یہ سورت کا Abstract اور Brief summary ہے اور اس کا مطلب ہے اس کتاب روشن کو ہم نے سہل و آسان کر دیا یعنی آپ کی عربی زبان میں اس کو نازل کر کے آسان بنا دیا ہے تاکہ آپ کی قوم اسے سمجھ سکے اور اس سے نصیحت حاصل کر سکے۔

حاصل بحث:

نظم قرآن کی وہ بحثیں جن کا تعلق مجاز، تشبیہ و کنایہ، نحوی قواعد اور ادبی اور بلاغی پہلوؤں کے ساتھ تھا۔ علامہ زمخشریؒ نے اس سے آگے بڑھ کر قرآنی کلمات، جملوں، آیات اور سورتوں کی نظم و مناسبت کو موضوع بحث بنایا، معتزلی ہونے کے باوجود زمخشری نے قرآن حکیم کو نظم و ترتیب کی بنیاد پر معجزہ قرار دیا تو پھر بلاغی اصولوں کا آیات پر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انطباق کرتے ہوئے قرآنی نظم و مناسبت کا اظہار بھی کیا۔

آپ نے کلمات قرآنیہ کی تقدیم و تاخیر، الفاظ کے دروبست اور ترتیب پر کلام کیا، قرآنی جملوں کی باہمی مناسبت کی بنیادوں کو واضح کیا کہ کس طرح جملے باہم تاکید، تفسیر، بدل، اعتراض کے ذریعے مربوط ہوتے ہیں۔ اسی طرح آیات کے ارتباط و تناسب کے وہ اصول مثلاً (تمہید، تاکید، تفسیر، تفصیل بعد الاجمال، تنظیر، مضادت، استطراد، حسن تخلص) جو آج بھی ربط و مناسبت اور نظریہ نظام القرآن کی بنیاد خیال کیے جاتے ہیں ان پر سب سے پہلے علامہ زمخشری نے شاندار کلام کیا۔

مراجع وحواشی

(۱) محمد بن مکرم جمال الدین ابن منظور الافریقی۔ (۱۴۱۲ھ)۔ لسان العرب۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ ۔۱۲/ ۵۷۸

(۲) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی۔ (س۔ن)۔ القاموس المحیط۔ بیروت: دار الجیل ۔۴/ ۱۴

(۳) ابوتمام حبیب بن اوس الطائی۔ (س۔ن)۔ دیوان الحماسہ مع شرح تبریزی۔ بیروت: دار القلم ۔۲/ ۱۰۶

(۴) ابو القاسم محمود بن عمر بن احمد الزمخشری۔ (۱۹۹۸ء، ۱۴۱۹ھ)۔ اساس البلاغۃ۔ الطبعۃ الاولی۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ ۔۲/ ۲۸۴

(۵) ابو القاسم محمود بن عمر بن احمد الزمخشری۔ (س۔ن)۔ الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل۔ تہران: انتشارات

آفتاب۔۱/۲۳۸　　(۶) الکشاف۔۱/۵۸۴

(۷) محی الدین الدرویش۔(۱۴۲۵ھ)۔اعراب القرآن الکریم و بیانہ۔طبعہ اولی۔ایران: مکتبہ ذوی القربی۔۶/۴۹۶؛
محمد جعفر کرباسی۔(۲۰۰۱ء)۔اعراب القرآن۔طبعہ اولی۔بیروت: مکتبۃ الھلال۔۷/۱۹

(۸) الکشاف۔۳/۳۹۰　(۹) ایضاً۔۳/۳۰۹　(۱۰) ایضاً۔۱/۵۳۹　(۱۱) ایضاً۔۱/۵۱۱

(۱۲) ایضاً۔/۴۹۲، ۴۹۳　(۱۳) ایضاً۔۱/۱۵۵　(۱۴) ایضاً۔۳/۳۲۱　(۱۵) ایضاً۔۲/۵۸۴

(۱۶) ایضاً۔۳/۴۲۱　(۱۷) ایضاً۔۲/۴۲　(۱۸) ایضاً۔۱/۵۹۱　(۱۹) ایضاً۔۳/۱۳۸

(۲۰) ابن المعتز عکاوی۔(۱۴۱۳ھ)۔المعجم المفصل فی علوم البلاغۃ۔الطبع الاولی۔بیروت: مکتبہ دار العلم۔۷۷، ۷۸

(۲۱) کشاف، ۲/۱۴۳　(۲۲) ایضاً۔۲/۲۰۰　(۲۳) ایضاً۔۸۹　(۲۴) ایضاً۔۲/۸۴

(۲۵) علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی۔(۲۰۰۰ء)۔الاتقان فی علوم القرآن۔طبعہ رابعہ۔دمشق: دار ابن کثیر۔۹۸۰

(۲۶) الاتقان، ۹۸۰　(۲۷) ۲/۱۱۴　(۲۸) ایضاً، ۴/۱۹۲　(۲۹) النساء ۴:۱

(۳۰) الکشاف، ۳/۳۵۸　(۳۱) ایضاً۔۴/۳　(۳۲) ایضاً۔۴/۳۵　(۳۳) ایضاً۔۱/۴۹۲، ۴۹۳

(۳۴) ایضاً۔۳/۱۳۸　(۳۵) ایضاً، ۳/۵۰۸